

میری گڑیا

سعدیہ عزیز آفریدی



میری گڑیا

سعدیہ عزیز آفریدی

ایمبولینس سے نکلتے اسٹریچر کو لے کر میل نرس اندر کی طرف تقریباً بھاگ رہے تھے۔ سلیم احمد بھی اُن کے ساتھ ساتھ بھاگ رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ اسٹریچر کے پہیوں کے نیچے کسی نے اس کا دل رکھ دیا ہے اور یہ پہیے اس کا اپنا آپ کچلتے ہوئے آگے چلے جا رہے ہیں۔

اسٹریچر پر زینت تھی...... وہی زینت جسے دس سال پہلے وہ زندگی کی اولین خوشی کی طرح اپنے گھر بیاہ







کرلایا تھا۔ یہ کہانیوں کی یا افسانوں کی طرح محبت کی شادی نہیں تھی لیکن اس کے باوجود اُن کی زندگی میں محبت ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک گل و خوشبو کی طرح اُگتی پھلتی پھولتی ہوا کے سنگ ہم سفر تھی۔

زینت کے پاس سب کچھ تھا بس وہ اولاد کی نعمت سے محروم تھی۔ زینت کو بیٹے کی خواہش تھی اور اُسے ہمیشہ عام مردوں کے برعکس بیٹیوں کی خواہش۔ وہ اکثر اس بات پر لڑ پڑتے تھے لیکن پھر دونوں نے اس پر سمجھوتا کرلیا۔

''بیٹی ہوئی تو تمہاری محبت سے بڑھ کر اسے پیار دوں گی۔'' وہ مسکرا دیتا اور جواباً کہتا۔

''بیٹا ہوا تو تمہارے سارے خواب اس کی آنکھوں میں دیکھ، دیکھ کر جیا کروں گا۔''

زندگی اس پیار بھرے سمجھوتے سے لپٹی ہوئی آگے کا سفر جاری رکھے ہوئے تھی جب اس کے ہاں بیٹی نے جنم لیا۔ اس کی بیوی نے اپنی خواہش سے بڑھ کر اس کی خوشی کو دل سے سینچا تھا۔

''نورالعین۔'' ان دونوں نے اس کا نام نورالعین ہی تو رکھا تھا۔

سلیم ایک دم بھاگتے بھاگتے ٹھہر گیا تھا چاروں طرف ایسے دیکھ رہا تھا جیسے کسی کو تلاش کررہا ہے۔ وہ کاریڈور سے پلٹ آیا تھا۔

''نورالعین......نور......'' وہ پاگلوں کی طرح بچی کا نام لے کر ڈھونڈ رہا تھا جب اچانک ایک ستون کے پیچھے سے ڈری سہمی نورالعین برآمد ہوئی۔ اس نے دیوانوں کی طرح نورالعین کو اپنے سینے میں بھینچ لیا...... ایسا لگتا تھا وہ کوئی صحرا تھا اور اس کی نورالعین ٹھنڈی میٹھی نہر۔

''تم کہاں گم ہوگئی تھیں میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔'' نورالعین نے اس کے بے تحاشا بہتے ہوئے آنسو اپنی ننھی ننھی پوروں سے صاف کیے۔

''بابا......امی کیسی ہیں؟ انہیں کیا ہوا ہے؟'' سلیم احمد ایک دم چونک گیا۔

''زینت......!'' بے قراری نام کے پکارے جانے میں بھی تھی۔ نورالعین کو گود میں اٹھائے وہ تیز، تیز قدم چلتا ہوا اسی کاریڈور میں آ گیا تھا جہاں کے ایک کمرے میں اس کی زینت گم تھی۔ وہ ٹھنڈی بخ کرسی پر خود بھی ٹھنڈا یخ وجود لیے بیٹھ گیا۔

''بابا...... بتائیں ناں امی کو کیا ہوا ہے؟'' نورالعین نے سلیم کا کندھا پکڑ کر ہلایا۔

''ان کی طبیعت بہت خراب ہے...... دعا کرو تمہاری امی ٹھیک ہوجائیں۔'' نورالعین نے اپنے ننھے، ننھے ہاتھ اٹھالیے۔

''اللہ میاں، میری امی کو ٹھیک کردیں، ان سے اتنا پیار کریں جتنا وہ مجھ سے کرتی ہیں۔'' سلیم نے نورالعین کو ایک مرتبہ پھر سینے میں بھینچ لیا۔ دو نرسیں اس کے سر پر کھڑی تھیں۔

''پولیس کو بلانا چاہیے۔'' دوسری نرس نے اسے نفرت سے دیکھا تھا۔

''پولیس نے کیا کرنا ہے، میڈیا کے سامنے اسے ذلیل کرنا چاہیے اتنی گھناؤنی حرکت کرتے ایک بار بھی اس نے نہیں سوچا۔'' نورالعین نے سلیم کی طرف دیکھا۔

''کیسی گھناؤنی حرکت بابا...... یہ گھناؤنی کا مطلب کیا ہوتا ہے؟'' اس نے نرسوں کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

''میری بچی بہت معصوم ہے، مہربانی کرکے اس کے سامنے کوئی غلط بات مت نکالیں۔''

دونوں نرسیں اُسے ایسے دیکھنے لگیں جیسے وہ پاگل ہوگیا ہو۔ پہلی نرس دوسری کی طرف دیکھ کر بولی۔

''بن رہا ہے تاکہ پاگل بن کر اس کیس سے بچ سکے۔''

''مجھے اسی دن شک پڑ رہا تھا کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے... اس کی بیوی جینڈر جاننے کے حق میں نہیں تھی اور یہ زبردستی کررہا تھا۔ اس نے ڈاکٹرنی سے زبردستی معلوم کیا۔'' دوسری نرس غصے سے سلیم کو دیکھ رہی تھی۔

''پتا نہیں لوگ بیٹی ہونے سے اتنا چڑتے کیوں ہیں مجھے تو لگتا ہے بیٹی ٹھنڈے میٹھے پانی کی نہر ہے جو زندگی کے صحرا کو سیراب کردیتی ہے۔''

ڈاکٹرنی اس کے سر پر آکر کھڑی ہوگئی۔ سلیم نے نورالعین کو بینچ پر بٹھایا اور بے قراری سے خود کھڑا ہوگیا۔

''ڈاکٹرنی صاحبہ، زینت کیسی ہے؟''

ڈاکٹرنی نے غصے میں ہتھ چھٹ انداز میں تھپڑ مارا تھا وہ لڑکھڑا گیا تھا۔

''تم نے اپنی بیوی کو مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی مگر یہ عورتیں بڑی سخت جان ہوتی ہیں...... بچ گئی ہے وہ تمہاری ساری کوششوں کے باوجود۔''

سلیم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے وہ مڑا۔

''نورالعین......تمہاری امی ٹھیک ہیں۔ تمہاری دعا کام آگئی ہے بیٹا۔''

ڈاکٹرنی نے ہاتھ کے اشارے سے نرسوں سے پوچھا کہ یہ کیا بکواس کررہا ہے۔ کس سے بات کررہا ہے۔

''ڈاکٹرنی صاحبہ پاگل پن کا ڈھونگ کرکے بچنا چاہتا ہے لیکن اسے پولیس کے حوالے ضرور کرنا چاہیے۔ اگر ایک منٹ کی دیر ہوجاتی تو زہر پھیلنے سے عورت کی جان جاسکتی تھی۔ یہ شخص اس بچی کا قاتل ہے جس نے اس دنیائے رنگ وبو میں ابھی آنکھ کھولنی تھی۔''

''میں نے پولیس کو کال کردی ہے اس سفاک آدمی کو میں اتنے آرام سے تو نہیں جانے دوں گی۔'' ڈاکٹرنی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''یہ قتلِ عمد کا مرتکب ہوا ہے۔''

تھوڑی دیر بعد ایک سپاہی کاریڈور میں آیا تھا۔

''کون ہے جی مجرم؟'' ڈاکٹرنی نے سلیم احمد

ساون یادیں

گھنگور گھٹائیں، کالے بادل
تیز بارش، ٹھنڈی ہوا
دل میں مچائے ہلچل
کوئل کی کوک
من کے اندر ہوک
چاہت ٹھہری دلدل، دلدل
انکھیاں ترسیں
ساون کی رم جھم
بھیگتا جائے آنچل
کوئی نہ جانے
کوئی نہ سمجھے
ساون برسا ہے
یا آنسو روئے ہیں
بھیگتی جائے
اِک لڑکی پاگل، پاگل

فصیحہ آصف خان، ملتان

غزل

یہ عادتیں ہی تو ہیں جو سب کو خراب کرتی ہیں
یاروں کا جینا اور مرنا عذاب کرتی ہیں
ان سرمئی آنکھوں کی مستی کو کیا نام دیجیے
جو سکون میں پیدا اضطراب کرتی ہیں
حسنِ جاناں کی ادائیں وہ قیامت ہیں کہ جو
کبھی سرشار تو کبھی آب آب کرتی ہیں
اِک گھڑی کا قصہ ہو تو سہہ لیں ہنس کر
یاں تو ہر آن جفائیں ہی حساب کرتی ہیں
جلائے ہے رقیبوں کو تو گفتار کی گرمی
ہم پہ ٹھنڈی ٹھار باتیں عتاب کرتی ہیں
یاد آتی ہیں مسلسل اور آئے جاتی ہیں
یادیں اُن کی آ کے مجھے بے تاب کرتی ہیں

شاعرہ: عالیہ بشیر، اسلام آباد

کی طرف اشارہ کیا۔

''اوئے یہ لڑکے تجھے کیا دیتے ہیں...... ٹھینگا' بٹی کا سن کر تم لوگوں کو موت کیوں پڑ جاتی ہے؟'' سلیم، سپاہی کو دیکھ رہا تھا۔ نورالعین خوفزدہ نظروں سے سپاہی کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے باپ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''بابا...... آپ مجھے چھوڑ کر مت جایئے گا، چاہے یہ کچھ بھی کہے۔''

سپاہی نے ذلیل کرنے کے سے انداز میں سلیم کو گدی سے پکڑ کر آگے دھکا دیا تو وہ گر گیا۔ نورالعین زمین پر بیٹھ گئی تھی۔ باپ کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر وہ بھی رونے لگی تھی۔

''بابا...... میرے بابا مت روئیں' یہ لوگ گندے ہیں۔'' سپاہی نے کالر سے پکڑ کر اسے اٹھایا۔

''چل نوٹنکی مت کر۔''

''میں اپنی بیٹی کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ یہ بہت چھوٹی ہے ڈر جاتی ہے۔''

''اوئے کون سی بیٹی...... وہ جو تو نے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دی جس بے چاری کا نام تک نہ رکھا جا سکا...... چل اٹھ۔'' سپاہی کھینچے جا رہا تھا مگر سلیم اس کے کنٹرول میں نہیں آ رہا تھا۔ تبھی جیپ سے ایس ایچ او اتر کر اسپتال میں داخل ہو گیا۔

سلیم اب بھی اوندھا زمین پر پڑا ہوا تھا۔

''کون سا وی آئی پی ہے جسے لانے میں اتنی دقتیں ہیں۔ ایک مرنجا مرنج بندہ نہیں گرفتار ہو سکتا۔'' سپاہی شرمندہ نظر آنے کی وجہ سے اسے لاتوں سے مارنے لگا تھا۔

''سر سالا...... کسی کی سن ہی نہیں رہا کہہ رہا ہے میری بیٹی چھوٹی ہے، میں اس کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔''

''اس کی کون سی بیٹی؟'' ایس ایچ او حیرت سے بولا۔ ''کون...... وہ جسے اس نے خود مار دیا۔ دنیا میں آنے سے پہلے خود قتل کر دیا۔ اب اس کا سوگ کر رہا ہے۔'' ایس ایچ او کو ایک دم غصہ آ گیا تھا۔

''خبیث یہ ڈرامے تھانے چل کر کرنا وہاں تیرے ہر ایکسپریشن پر داد ملے گی۔'' ایس ایچ او نے اسے اٹھایا تھا اور چہرہ دیکھ کر ایک دم ایسے پیچھے ہٹ گیا تھا جیسے کسی بھوت کو دیکھ لیا ہو۔

''سلیم احمد تم......؟''

سپاہی اور نرسیں جو تماشا دیکھنے کے لیے رک گئی تھیں حیرت سے ایس ایچ او اور سلیم احمد کو دیکھ رہی تھیں۔ ایس ایچ او نے اسے بینچ پر بٹھا دیا۔ سپاہی کو بھاگ کر پانی لانے کا حکم دیا۔ وہ سلیم کو لیے بغیر جانے لگا تھا جب ڈاکٹرنی نے طنزیہ پوچھا۔

''کوئی جان پہچان ہے سر یا مٹھی گرم ہو گئی ہے؟'' ایس ایچ او غصے میں پلٹا تھا۔

''یہ سلیم احمد ہے جس کی جان اپنی بیٹی نورالعین میں بند تھی۔ چند ماہ قبل اس کی چھ سالہ نورالعین کو کسی درندہ صفت انسان نے زیادتی کے بعد قتل کر کے گٹر میں پھینک دیا تھا۔'' تینوں کا چہرہ ہونق تھا' وہ سلیم احمد کو اب ترحم سے دیکھ رہی تھیں جنہیں اب خیال آ رہا تھا کہ وہ تو بیٹی کے ہیولے سے بات کر رہا تھا۔ سلیم احمد اُن میں سے کسی کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

''نورالعین تمہاری ایک ننھی بہن نورالصباح آئی ہے۔ وہ کب سے تمہارے دروازے کے باہر کھڑی تمہارے ساتھ کھیلنے کے لیے تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ تم اس کے ساتھ جا کر کھیلو اور اسے کہنا بابا اس سے بہت پیار کرتے ہیں بس مجبور ہیں...... ورنہ بیٹی کے دنیا میں آنے کی خوشی سب سے زیادہ بابا ہی مناتے۔''

نرسوں اور ڈاکٹرنی کی آنکھ میں اب آنسو تھے اور آنسو اس عورت کی آنکھوں میں بھی تھے جس نے ابھی کے ابھی اپنی مُردہ بیٹی کو جنم دے کر زندہ آنکھوں سے دیکھا تھا......!